جلسہ پر آنے والے مہمانوں کو نہ صرف تکالیف سے بچائیں بلکہ ان کے لئے بہترین نمونہ بنیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍دسمبر ۱۹۷۸ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

ایام جلسہ قریب آ رہے ہیں اور اللہ کے فضل سے اس کی تیاری ہو رہی ہے۔ میں نے اس سے پہلے بعض باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی جن میں سے ایک بات یہ تھی کہ جلسہ سے قبل سارے ربوہ کی صفائی ہوجانی چاہیئے۔ سڑکوں کی، گزرگاہوں کی اور ان جگہوں کی بھی جو گزرگاہیں تو نہیں لیکن گزرگاہوں سے نظر آتی ہیں اور وہاں گند پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا کچھ حصہ تو کمیٹی سے تعلق رکھتا ہے لیکن ہمارا تعلق جماعتی لحاظ سے کمیٹی سے نہیں ہے اس لئے میں تو جماعت سے ہی کہوں گا کہ آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ ربوہ کی صفائی کریں اور کسی جگہ بھی گند دکھائی نہ دے، نہ آنکھ کو، نہ ناک کو اور نہ پاؤں کی حس کو۔ میں نے کہا تھا کہ بعض دفعہ راستوں میں گڑھے پڑے ہوتے ہیں اور انسان کو رات کے اندھیرے میں یا کم روشنی میں ٹھیک طرح نظر نہیں آتا۔ گڑھے میں پاؤں پھسلتا اور موچ آ جاتی ہے اور اس طرح بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے جہاں تک انسان کے بس میں ہے خود ربوہ والوں کو بھی اور باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی ان تکالیف سے بچانا بہت ضروری ہے۔ ویسے تو ہم دعائیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعائیں سنتا بھی ہے کہ آنے والوں کو بھی اور یہاں کے مکینوں کو بھی نہ صرف جلسہ کے ایام میں بلکہ کبھی بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے لیکن قدرت نے جو تدابیر رکھی

ہیں ان کو نظر انداز کرنا بھی اپنی طاقتوں کی ناشکری ہے اور خدا تعالیٰ نے جو احسان کیا ہے اس کی ناشکری ہے۔

اس سلسلہ میں قریباً سارے محلوں میں ہی کام ہوا ہے۔ کہیں بہت اچھا کام ہوا ہے کہیں اچھا ہوا ہے اور کہیں اس وقت تک نسبتاً کمزور ہوا ہے۔ جنہوں نے اس وقت تک بہت اچھا کام کیا ہے ان سے میں کہوں گا کہ جلسہ سالانہ تک اس کام کے لئے جتنے ایام باقی رہ گئے ہیں انتظام کی ہدایت کے مطابق اس میں وہ اپنے اس بہت ہی اچھے معیار سے گریں نہ بلکہ ہمیشہ ہی اچھا کام کرتے رہیں اور جنہوں نے بہت اچھا کام نہیں کیا بلکہ اچھا کام یا نسبتاً کمزور کام کیا ہے ان سے میں کہتا ہوں کہ ہمارے کان میں تو کام کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ آواز آتی ہے کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرۃ:۱۴۹) پس نیکی کے کاموں میں کسی کو آگے بڑھنے دینا اور دل میں یہ خیال پیدا نہ ہونا کہ ہم کیوں پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی کمزوری ہے جسے خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ تو اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ اس کے سارے ہی بندے خیرات میں، نیکیوں میں، بھلائی میں، دوسروں کے لئے مفید کاموں میں اور خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کی تلاش میں ہمیشہ ہی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ بعض دوڑوں میں مثلاً آدھے میل کی دوڑ میں یا ایک میل کی دوڑ میں بعض دفعہ اول پوزیشن پر آنے والا دوسری پوزیشن پر آنے والے سے سو گز آگے ہوتا ہے۔ بہت فاصلہ پیچھے چھوڑ کر اول دوم اور سوم آتے ہیں اور جو سوم بھی نہیں وہ بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور ایسی دوڑ بھی دیکھی ہے کہ جس میں آخری وقت تک یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ ان میں سے کون آگے نکل آئے گا۔ وہ بالکل پہلو بہ پہلو دوڑ رہے ہوتے ہیں اور یہی شکل خدا تعالیٰ نیکیوں کے میدان میں آگے نکلنے کی دوڑ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے لیکن انسان کی آنکھ یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں کس نے آگے نکل جانا ہے اس طرح آگے پیچھے اور پہلو بہ پہلو ساتھ جڑے ہوئے آگے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ہر وقت آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔

ہوسکتا ہے کہ جن کے متعلق یہ رپورٹ ہو کہ انہوں نے سستی دکھائی ان کو اس وقت تک

کام کرنے کے لئے کوئی جائز عذر ہو لیکن کام کو ہمیشہ نظر انداز کرنے کے لئے میرے ذہن میں کوئی جائز عذر نہیں آتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ ایک جائز عذر ہو گیا۔ دو ہفتے کوئی جائز عذر ہو گیا لیکن ہمیشہ ہی عذر ہو اور وہ جائز ہو اسے میری عقل نہیں مانتی اور میرا خیال ہے کہ کسی کی عقل بھی نہیں مانتی۔ پس ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس وقت تک پیچھے رہنے والوں کے جو عذر تھے وہ جائز تھے لیکن یہ ہم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اس مہینے کی ۲۲؍ تاریخ تک جو مزید کام کرنے کے اوقات ہیں ان میں بھی جائز عذر ان کو میسر آتے رہیں گے۔ ان کو تو زیادہ زور لگا کر، زیادہ وقت دے کر، زیادہ توجہ سے، زیادہ ہمت کے ساتھ اور زیادہ دعاؤں کے ساتھ جو محلے آگے نکل چکے ہیں ان سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بہت سی جگہ گڑھوں کو پر کر دیا گیا ہے اور سڑکوں کو اور پگڈنڈیوں اور چھوٹے رستوں کو بھی ہموار کر دیا گیا ہے لیکن منتظمین کو کوشش کرنی چاہیئے کہ سارے ہی راستوں کو ایسا ہموار کر دیا جائے کہ تدبیر کے لحاظ سے کسی کو کوئی دکھ پہنچنے کا اندیشہ باقی نہ رہے اور آپ بھی دعا کرتے ہیں اور آپ کو کرنی چاہیئے اور میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت اور امان میں رکھے اور جسمانی تکلیفوں سے محفوظ رکھے۔

دوسری بات جو میں آج کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ منتظمین جلسہ کا خیال ہے کہ اہل ربوہ ان کو مناسب اور پوری تعداد میں رضا کار نہیں دیں گے اور میرا یہ خیال ہے کہ اہل ربوہ منتظمین جلسہ کو پوری تعداد میں رضا کار دے دیں گے۔ یہ ہمارا اختلافِ رائے ہو گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا عمل مجھے جھوٹا بناتا ہے یا ان کو غلط قرار دیتا ہے اس لئے آج میں اطفال اور خدام کو خصوصاً اور انصار کو عموماً مخاطب کرتا ہوں۔ پچھلی دفعہ جب میں نے کہا تھا کہ رضا کار دو تو ربوہ میرا مخاطب تھا یعنی ربوہ کے سارے مکین لیکن آج میں علیحدہ علیحدہ تنظیموں کو مخاطب کرتا ہوں کہ جتنے رضا کار ہمیں چاہئیں اتنے مل جانے چاہئیں۔ ایک زمانہ میری ہوش میں ایسا گزرا ہے اور مجھے وہ جلسے یاد ہیں کہ جب قادیان میں افسر جلسہ سالانہ کو پندرہ، بیس ہزار مہمانوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا اور پچھلے سال کھانے کے لحاظ سے ہی نوّے ہزار مہمانوں کا انتظام کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ جن رضا کاروں کا تعلق لنگر خانوں میں کام کرنے سے ہے یا کھانا تقسیم کرنے سے یا کھانا کھلانے

سے یا رہائش گاہوں کی نگرانی اور ان میں مہمان ٹھہرانے سے ہے ان کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اگر ہمارے ذہن میں کسی سال مہمانوں کی تعداد پندرہ ہزار ہو تو اس کے مقابلے میں اب تعداد چھ گنا زیادہ ہوگئی ہے اس لئے چھ گنا زیادہ رضا کار ہمیں ملنے چاہئیں اور اگر ربوہ کے مکینوں کی تعداد رضا کاروں کے لحاظ سے اس زمانے کے مقابلہ میں چھ گنا نہیں بڑھی تو ربوہ کے رضا کاروں کی Efficiency یعنی اہلیت مجموعی طور پر چھ گنا زیادہ ہونی چاہیئے ورنہ تو ہم کام نہیں سمیٹ سکتے۔ پس آپ پر دو جہتوں سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ تعداد کے لحاظ سے کمی نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اگر تعداد پوری کرنی ممکن ہی نہ ہو، اگر ربوہ کے مکینوں کی تعداد اتنی نہیں بڑھی جتنے خدا کے فضل سے جلسہ پر آنے والے مہمان بڑھ گئے ہیں تو پھر تم یہ کوشش کرو کہ تمہارے کام کی کیفیت اور Efficiency مجموعی طور پر چھ گنا زیادہ ہو جائے کیونکہ اس وقت جتنی رضا کاروں کی مجموعی اہلیت تھی اس سے چھ گنا زیادہ تمہاری مجموعی کارکردگی ہو تو تب تم کام سنبھال سکتے ہو۔

جلسہ سالانہ پر کام کے لحاظ سے چھوٹے بچے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ چھوٹے بچے ہیں جن کو کام کرنے کی بہت خواہش ہوتی ہے مگر ابھی ان کی عمر نہیں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لمبی عمریں دے اور ان کی یہ خواہش بھی پوری ہو کہ وہ جلسہ سالانہ کے کام میں عملاً تندہی کے ساتھ حصہ لینے والے بنیں اور ایک وہ چھوٹے بچے ہیں جو بڑی مستعدی سے کام کر سکتے ہیں۔ اب تو کچھ بڑے بھی لگالئے جاتے ہیں لیکن قادیان میں بعض کاموں میں خدام کی عمر کے نوجوان نہیں لگائے جاتے تھے۔ مثلاً تنوروں سے روٹیاں تقسیم کرنے والی جگہ تک پہنچانے کے لئے بڑے آدمی کی ضرورت نہیں۔ چھوٹا بچہ یہ کام کرسکتا ہے۔ وہ بڑے جتنا وزن نہیں اٹھاسکتا لیکن بڑے سے زیادہ چکر لگا سکتا ہے اور اس سے زیادہ تیز ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نو سال کا بچہ بیس سال کے جوان سے زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے۔ بچے بہت تیز ہیں۔ بڑا دو چکر لگاتا ہے تو یہ تین چکر لگا لیتے ہیں اور اگر اس نے ایک تہائی وزن کم اٹھایا ہے تو ایک وقت کے اندر زیادہ چکر لگا کر بڑے کے برابر روٹیاں وہاں پہنچا دی ہیں۔

پس تم جو اطفال ہو تمہارے او پر تو ہمیں بڑا حسن ظن ہے۔ تمہارے ساتھ بڑی امیدیں

وابستہ ہیں۔ بالکل چھوٹے بچے اس وقت میرے مخاطب ہیں۔ میں علیٰ وجہ البصیرت اس یقین پر ہوں کہ جب انشاء اللہ تم بڑے ہوئے اور تمہارے ذمے جماعت احمدیہ کے کام پڑے تو اس وقت جماعت آج کی تعداد سے بیسیوں گنا زیادہ ہوگی اور ان کی ہدایت کے کام۔ ان کو قرآن کریم کی صحیح تعلیم پیش کرنا، ان کو دینی علوم سکھانا، ان کی تربیت کرنا، ان کے لئے نمونہ بننا وغیرہ بڑی ذمہ واریاں تم پر عائد ہوں گی۔ کچھ لوگ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہیں کچھ نہیں سنبھالتے لیکن جو ذمہ داریاں آج مجموعی طور پر نوجوانوں پر اور بڑوں پر پڑ رہی ہیں اس سے سوگنے زیادہ، دوسو گنے زیادہ بلکہ ہوسکتا ہے کہ خدا کرے ہزار گنے زیادہ ذمہ داریاں ہو جائیں۔ جماعت اتنی بڑھ جائے تو آسمانوں سے فرشتوں نے آکر یہ کام نہیں کرنے۔ یہ تو تدبیر کا نظام ہے اور آزادی کا نظام ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے کہا کہ دیکھ یہ ہدایت کی راہ ہے اور یہ ضلالت کی راہ ہے۔ تجھے میں اختیار دیتا ہوں کہ چاہے تو ہدایت کی راہ کو اختیار کر اور چاہے تو ضلالت کی راہ کو اختیار کر لیکن یہ میں بتا دیتا ہوں کہ اگر تُو ضلالت کی راہ کو اختیار کرے گا تو خدا تعالیٰ کے غضب کی جہنم تجھے نصیب ہوگی اور اگر ہدایت کی راہ کو اختیار کرے گا تو خدا تعالیٰ کا پیار تجھے ملے گا اور تیرے دل کی کیفیت یہ ہو جائے گی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً بتایا گیا (اس میں مخاطب جماعت ہی ہے) کہ

جے تُوں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو (تذکرہ:۳۹۰)

یہ کیفیت اس شخص کے دل کی ہوتی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ میں سارے کا سارا خدا کا ہو گیا ہوں اور پھر اس دلی کیفیت کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے دین کے کام کرتا اور اس کے بندوں کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔ غرض ہمیں یہ نظر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا اور ساری مخالفتوں اور روکوں کے باوجود جماعت تمہارے جوان ہونے تک عملاً اتنی بڑھ چکی ہوگی کہ بچو! آج تمہارا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا جو تمہیں ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں کیونکہ جتنی جماعت بڑھے گی اتنے ہی ان کے مربی زیادہ ہونے چاہئیں اور ان کے لئے نمونے بننے چاہئیں۔ جو لوگ نئے آئیں گے ان کے لئے صرف قرآن کریم کا علم ہی کافی نہیں ہوگا وہ کہیں گے کہ ہم نئے آئے ہیں ہمیں نہیں پتا کہ ہم کس طرح ان ہدایتوں پر عمل

کریں اور کس کے نمونہ کے پیچھے چلیں ہمیں نمونہ دو۔ ہمارا اصل آئیڈیل تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ہم میں سے ہر شخص کو یہ حکم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کر کے آپ کی اتباع کر کے، آپ کی پیروی کر کے، آپ کی طرح زندگی گزار کر تم دوسروں کے لئے نمونہ بنو۔ چنانچہ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمیں نمونہ بن کر دکھاؤ۔

قرآن کریم کے متعلق آیا ہے بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ (عبس:۱۶) کہ دور دور سفر کرنے والوں کے ہاتھ میں بھی یہ کتاب ہے۔ یہ بڑی عظیم کتاب ہے۔ اس مضمون پر بہت سی آیات ہیں لیکن اس وقت میں ان کے متعلق تفصیلی طور پر کچھ نہیں کہنا چاہتا بلکہ صرف اسی ٹکڑے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ سفر کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو تربیت اور علوم حاصل کرنے کے مراکز سے علم حاصل کرتے اور تربیت حاصل کرتے ہیں اور پھر لمبے سفر کر کے ہر جگہ پہنچتے ہیں تا کہ خدا تعالیٰ کی اس تعلیم کو، اس ہدایت کو جو بنی نوع انسان کے قیامت تک کے فائدے کے لئے آئی ہے ان تک پہنچائیں اور ایک وہ لمبے سفر کرنے والے ہیں جو ایسے مراکز میں پہنچتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے اور امت مسلمہ میں ایسے ہزار ہا ہزار ہا مراکز تھے جو نہ ہم نے گنے اور نہ گنے جاسکتے ہیں، شاید تاریخ بھی بہت ساروں کو بھول چکی ہوگی۔ ہمارے جلسہ سالانہ کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ اس میں شمولیت کے لئے آتے ہیں مثلاً یہاں سے دس ہزار میل دور سے امریکن جلسہ پر آئیں گے اور ان کے کانوں میں خدا اور رسول کی باتیں پڑیں گی۔ وہ تقریریں سنتے ہیں ان کو سمجھ نہیں آتی لیکن میں حیران ہوں شاید آپ کو پتا نہیں کہ بعض دفعہ ۲۶/تاریخ کی تقاریر کا علم ان لوگوں کو جو ہماری زبان نہیں جانتے عشاء کے وقت ہو چکا ہوتا ہے۔ اس قدر وہ کرید کرید کر پوچھتے ہیں کہ اس مقرر نے کیا کہا، اس نے کیا کہا، اس نے کیا کہا اور نوٹ لیتے ہیں اور کچھ یاد رکھتے ہیں اور اس طرح وہ لوگ علم حاصل کرتے ہیں لیکن صرف علم حاصل کرنا ان کو اتنا فائدہ نہیں دے سکتا وہ بڑی تیز نگاہیں لے کر یہاں آتے ہیں اور وہ آپ کو دیکھتے ہیں کہ کیا آپ قرآنی تعلیم کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یا نہیں؟ وہ آپ کے مردوں کو دیکھتے ہیں، بچوں کو بھی دیکھتے ہیں اور جوانوں کو بھی

دیکھتے ہیں اور باہر سے جو عورتیں آتی ہیں وہ ربوہ کی عورتوں کو دیکھتی ہیں کہ تم ہمیں تعلیم دے رہے ہو قرآن سکھا رہے ہو خود بھی عمل کر رہے ہو یا نہیں؟ یہ نمونہ پیش کرنا بھی ربوہ کا کام ہے۔ مثلاً دکاندار ہیں ہم کب کہتے ہیں کہ تم دکانداری نہ کرو۔ اسلام نے روزی کمانے سے تو منع نہیں کیا لیکن اسلام نے روزی کمانے کے لئے ہدایتیں بھی دی ہیں ان ہدایتوں کی پابندی کرو۔ ذخیرہ اندوزی نہیں کرنی، منڈی میں آ کر منڈی کے بھاؤ پر خرید وفروخت کرنی ہے، باہر کے بھاؤ پر نہیں کرنی وغیرہ۔

جو لوگ سفر کر کے قرآن سیکھنے کے لئے آتے ہیں وہ بھی میرے نزدیک بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ میں شامل ہیں۔ میں ایک واقعہ بتادوں۔ افریقہ میں سینیگال کے علاقہ میں ایک بزرگ گئے۔ وہ علاقہ جغرافیائی لحاظ سے آج کے نقشے سے مختلف تھا۔ انہوں نے جس قبیلے میں بھی اسلام کی تبلیغ کی وہاں سے دھتکارے گئے اور ان لوگوں نے آواز ہی نہیں سنی۔ جب ان کے دو تین سال اس طرح ضائع ہوئے یعنی کوشش بے نتیجہ نکلی، تکلیفیں اٹھا کر پھرے، ان وحشیوں میں ان کو مزاج کے مطابق کھانا بھی نہیں ملتا ہوگا لیکن ان کے دل میں درد تھا کہ میں ان کو تبلیغ کروں اور یہ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کا نور انہیں حاصل ہو اور یہ خدا کا پیار پانے والے ہوں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ اس بے نتیجہ کوشش سے اچھا تھا کہ میں کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب کی عبادت کرتا اور اس کی رضا کو تلاش کرتا۔ اس علاقے میں دریائے سینیگال ایک بہت بڑا دریا ہے۔ اس کے اندر ایک کئی میل کا جزیرہ تھا یعنی دریا پھٹ کر اس کے دونوں طرف سے جارہا تھا اور درمیان میں جزیرہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہ خاموش جگہ ہے یہاں چلتے ہیں۔ وہ وہاں چلے گئے اور ان کے ساتھ ان کے چالیس، پچاس مرید بھی تھے جو کہ اس علاقہ میں تبلیغ کے دوران تیار ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر گھاس پھونس کی جھونپڑیاں بنالیں اور مسجد بنالی۔ وہاں چھوٹی سی آبادی ہوگئی اور وہ دن رات خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہے۔ جس وقت انہوں نے وہاں اڈہ بنالیا تو وہ قبائل جو ان کی آواز بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھے ان کے نمائندے اس جزیرے میں آنے شروع ہوگئے اور وہ وہاں ٹھہرے کوئی چھ مہینے ٹھہرے، کوئی سال، کوئی ڈیڑھ سال اور انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم ان

سے سیکھی اور عملاً بھی سیکھا کہ عبادات کیسے کرنی ہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ ۱۹۶۷ء میں جب کوپن ہیگن کی مسجد کا افتتاح ہوا تو تین سو کے قریب عیسائی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کو تو نہیں پتا تھا کہ رکوع کیسے کرنا ہے۔ جب ہم رکوع میں جاتے تھے تو وہ ادھر ادھر دیکھ لیتے تھے کہ کس طرح کرنا ہے۔ جب سجدے میں گئے تو ادھر ادھر دیکھ لیا کہ کیسے سجدہ کرنا ہے اس طرح انہوں نے نماز پڑھی۔ پس ایک تو نماز کا حکم ہے اور ایک نماز پڑھنے کا طریق ہے اور سنت نبوی ہے کہ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔ غرض انہوں نے عملاً بھی سیکھا اور پھر واپس جا کر اپنے قبائل میں تبلیغ کی اور وہ قبائل مسلمان ہو گئے یعنی جزیرے کے اندر ایک مرکز بن گیا ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ وہاں ان کو دعاؤں کا موقع بھی مل گیا اور دعاؤں کے نتیجے میں ان کی خواہشات کو خدا تعالیٰ نے پورا کیا اور وہ قبائل جن میں خود ان کا اپنا وجود پہنچ کرنا کام ہوا تھا وہاں ان کے شاگرد پہنچے (انہی قبائل سے تعلق رکھنے والے) اور وہاں اسلام پھیلا اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

غرض باہر سے آنے والے یہاں صرف تقاریر نہیں سنتے یا علماء سے ہی گفتگو نہیں کرتے بلکہ وہ بڑی تیز نگاہیں لے کر آتے ہیں اور آپ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس پر بھی آپ کو پورا اترنا چاہیئے اور آپ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ آپ صحیح اسلام کا نمونہ ان کے سامنے پیش کرنے والے ہوں۔ ہمیشہ ہی دنیا کے سامنے پیش کرنے والے ہوں لیکن خصوصاً اجتماعات میں خواہ وہ ربوہ میں ہوں یا باہر ہوں۔ باہر سے آنے والے آنکھیں کھلی رکھ کر آتے ہیں آنکھیں بند کر کے نہیں آتے۔ وہ اس لئے یہاں آتے ہیں کہ وہ بینا ہیں، دیکھنے کی قوت، قوت بینائی اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اور وہ اسے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے سامنے اچھا نمونہ پیش کر سکیں۔

میں نے کہا تھا کہ جس حد تک ممکن ہو اپنے مکانوں کا ایک حصہ دیں خواہ وہ چھوٹا سا کمرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر بڑا کمرہ دے سکتے ہیں تو بڑا دیں لیکن اگر بڑا نہیں دے سکتے تو چھوٹا کمرہ ہی دے دیں۔ میں جب افسر جلسہ سالانہ تھا تو ایک دفعہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افتتاحی تقریر سن کر باہر نکلا۔ ان دنوں جامعہ نصرت کے میدان میں ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا۔ مجھے

وقت مل گیا میں نے افتتاحی تقریر سنی اور جب تقریر اور دعا کے بعد میں باہر نکلا تو مجھے کراچی کے ایک دوست سڑک کی طرف سے آتے ہوئے ملے۔ انہوں نے ہاتھ میں سوٹ کیس پکڑا ہوا تھا اور بیوی ان کے ساتھ تھی۔ میری نگاہ ان پر پڑی تو میں سمجھ گیا کہ ان کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں ہے پتا لینا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ آپ کا کہیں انتظام ہے؟ کوئی دوست کوئی واقف جس کو آپ نے لکھا ہو کہ میں ان کے ہاں ٹھہر رہا ہوں۔ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ نے انتظام جلسہ کو لکھا ہے کہ آپ کا انتظام کیا جائے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا کہ کہاں ٹھہریں گے؟ کچھ پتا نہیں۔ میں نے کہا اچھا پھر میں انتظام کرتا ہوں۔ میرا تو فرض تھا ہمارے بہنوں بھائیوں کے گھروں کے پاس ہی وہ مجھے ملے تھے۔ میں ایک گھر میں گیا اور میں نے کہا کہ مجھے کوئی کمرہ دو۔ اس طرح ایک مہمان آ گیا ہے اور وہ لکھ پتی ہے۔ ایک ایک وقت میں وہ شخص پچاس پچاس ہزار روپے چندہ دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہمارے تو سارے کمروں میں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پھر دوسرے گھر میں گیا انہوں نے بھی کہا کہ ہمارے سارے کمروں میں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ایک اور گھر میں گیا تو میری نظر ایک چھوٹے سے کمرے پر پڑی جس کو ہم ’’کوٹھی‘‘ کہتے ہیں۔ بالکل چھوٹی سی تھی شاید غسل خانے کے لئے بنائی گئی تھی اور اس کے اندر گندم کی بوریاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ مجھے مہمان کے لئے کمرہ چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ کمرہ تو کوئی خالی نہیں ہے۔ میں نے کہا یہ کمرہ خالی ہے۔ گندم کی بوریاں میں باہر نکلوا دیتا ہوں اور وہاں یہ ٹھہریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ لکھ پتی، بڑا امیر، بڑے آرام سے رہنے والا تھا لیکن وہ بڑی قربانی کر کے یہاں آتا ہے۔ امیر بھی اور غریب بھی دونوں ہی بڑی قربانی کر کے آتے ہیں۔ ان کے دل میں ایک جذبہ ہے وہ جذبہ دنیا کی محبت نہیں بلکہ جذبہ خدا کی محبت اور جذبہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار ہے جو ان کو یہاں لے کر آتا ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ اس میں ٹھہر جائیں گے، تو انہوں نے مجھے کہا کہ اس سے اچھی جگہ مجھے اور کونسی ملے گی۔ چنانچہ میں نے وہاں پرالی ڈلوادی اور وہ میاں بیوی وہاں ٹھہر گئے اور بہت ہی خوش تھے کہ ہمیں ٹھہرنے کے لئے اتنی اچھی جگہ مل گئی ہے۔ پس اس قسم کے لوگ آتے ہیں اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اگر آپ بڑے کمرے دے

سکتے ہیں تو بڑے کمرے دیں۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بڑے کمرے دے سکتے ہیں تو تب بھی ایک چھوٹی سی کوٹھی دے دیں لیکن اگر بڑا کمرہ نہیں دے سکتے تو یہ خیال نہ کریں کہ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھی ہے ۶x۶ کی جس کے اندر آپ کی گندم کی بوریاں پڑی ہوئی ہیں جنہیں آپ بغیر خراب کئے بغیر نقصان اٹھائے عارضی طور پر کسی اور جگہ چھپر وغیرہ کے نیچے رکھ سکتے ہیں تو اسے پیش کرنے سے شرمائیں نہ۔ آنے والا مہمان جو بڑا امیر ہے وہ اس جگہ پر رہنے میں نہیں شرماتا تو آپ وہ کوٹھڑی دینے میں کیوں شرماتے ہیں۔اس لئے وہ ضرور دیں تاکہ جہاں تک ممکن ہو سکے کسی کو جلسہ سالانہ پر تکلیف نہ پہنچے۔

باہر سے جو غیر ملکی آتے ہیں ان کو بعض چیزوں کی عادت ہوتی ہے مثلاً وہ خاص قسم کے غسل خانے استعمال کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جماعت کو توفیق دی اور یہاں بہت سے گیسٹ ہاؤس بن گئے لیکن وہ کافی نہیں رہیں گے۔ شاید اس سال بھی کافی نہ رہیں۔ بہت سے غیر ملکیوں نے میرے پاس شکایت کی انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ نے غسل خانے بنا دیئے ورنہ ہمیں تکلیف ہوتی لیکن آپ ہمارے لئے چارپائیاں کیوں مہیا کرتے ہیں جس طرح باقی مہمان پرالی پر سو رہے ہوتے ہیں ہم بھی پرالی پر سوئیں گے اور دو سال کی بات ہے ایک دن میں وہاں گیا اور کمرے دیکھ رہا تھا تو ایک جگہ میں نے دیکھا کہ ایک غیر ملکی مہمان زمین پر بستر بچھا کر سویا ہوا ہے۔اس کی طبیعت میں جوش آیا کہ یہ کیا کہ ہم چارپائی پر سوئیں اور خدا کی رضا کے حصول کے لئے جتنے بھی مہمان آرہے ہیں وہ بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ زمین پر پرالی پر سو رہے ہیں لیکن بہرحال ہم نے ان کے لئے انتظام کرنا ہے کیونکہ ہمارے لئے یہ بھی سنت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اگر کوئی ایسا مہمان آجاتا تھا جس کو پان کھانے کی عادت ہوتی تھی، ان دنوں میں جبکہ بٹالے تک گیارہ میل پیدل چلنا پڑتا تھا تو آپ اس کی اس عادت کی وجہ سے بٹالہ یا بعض دفعہ امرتسر آدمی بھیج کر پان منگوایا کرتے تھے کیونکہ جس حد تک ممکن ہو مہمان کو ہر قسم کی تکلیف سے بچانا میزبان کا فرض ہے۔ مہمان اپنے جذبات کے ساتھ آتا ہے اور وہ بڑے پیارے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جو یہاں کے رہنے والے ہیں ہمارے دلوں میں پیارے جذبات نہ ہوں۔ ہمارے دلوں میں بھی

پیارے جذبات ہونے چاہئیں۔ان کے دل کا پیارا جذبہ یہ ہے کہ ہمیں پرالی پر لٹاؤ اور ہمارے دل کا پیارا جذبہ یہ ہے کہ خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ساری دنیا کی مخالفتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو مہمان یہاں آئے ہیں ہم ان کو جہاں تک ہمارے اختیار میں ہو ہر قسم کی تکالیف سے بچانے کی کوشش کریں۔ پس ان کے اپنے جذبے ہیں اور ہمارے اپنے جذبے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہی اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا کرے اور ہم سب خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے والے ہوں۔

پس دس پندرہ دن جو باقی رہ گئے ہیں ان میں صفائی مکمل کرلیں اور بچو اور نوجوانو اور بڑی عمر والو! جتنے رضا کار ہمیں چاہئیں اتنے ربوہ کو دینے چاہئیں لیکن اگر چاہئیں والا حصہ مثلاً بیس ہزار کا مطالبہ کرتا ہے تو یہاں بیس ہزار کی تو آبادی ہی نہیں ہے پندرہ ہزار کی بھی آبادی نہیں اس لئے جو کمی رہ جائے وہ آپ زیادہ وقت دے کر زیادہ توجہ دے کر اور زیادہ اہلیت کا مظاہرہ کرکے پوری کریں کیونکہ یہ کام بہرحال خدا کی رضا کے حصول کے لئے اہل ربوہ نے کرنے ہیں لیکن لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۷) ہمارے ساتھ یہ وعدہ ہے اور بڑا پیارا وعدہ ہے کہ تم اپنی سی کوشش کر ڈالو اور جو کمی باقی رہ جائے گی وہ اللہ تعالیٰ خود پوری کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری خامیوں کو ڈھانپ لے اور کمیوں کو پورا کر دے اور آنے والوں کی جھولیاں بھی اپنی رحمتوں اور برکتوں سے بھر دے اور ربوہ کے مکینوں کی جھولیاں بھی اپنی رحمتوں اور برکتوں سے بھر دے اور یہ کام جو ہمارے سپرد ہوا ہے کہ ساری دنیا میں ہم اسلام کو غالب کریں اس کے لئے ہماری حقیر کوششوں کو اللہ تعالیٰ قبول کرے اور اپنے منصوبہ کے مطابق ہماری حقیر کوششوں کا نتیجہ نکالے اور ہمارے بچوں کو توفیق دے کہ جوں جوں وہ بڑے ہوتے جائیں اپنی دینی اور روحانی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو سمجھنے والے ہوں اور انہیں ادا کرنے والے ہوں۔

(از رجسٹر خطبات ناصر غیر مطبوعہ)